طاقت کے ہوتے ہوئے ظالم کیلئے رحم چاہنا صبر ہے۔

اولوالعزم نبیوں کی طرح صبر کریں تا کہ خدا ولاتحزن کی آواز دے

(خطبہ جمعہ فرمودہ 14 / جولائی 1995ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

وَالْعَصْرِ ۙ﴿۲﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ﴿۳﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿۴﴾ (العصر: ۲ تا ۴)

پھر فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ کے حق نام کے تعلق سے میں نے گزشتہ جمعہ میں تبلیغ کی طرف توجہ دلائی تھی کہ حق ذات سے تعلق ہو تو حق پھیلانا اس کا ایک طبعی نتیجہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسم حق کا جہاں جہاں مختلف رنگ میں استعمال ہوا ہے اس کا ذکر کر کے اس مضمون پر روشنی ڈالی تھی۔ سورۃ العصر میں جس کی میں نے تلاوت کی ہے اس میں وہ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ کے ساتھ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ کے مضمون کو باندھا گیا ہے جو ہر جگہ جہاں بھی تبلیغ کا مضمون ہے وہاں صبر کا مضمون بھی ہمیں نظر آتا ہے۔ اکثر ظاہری الفاظ میں، کہیں دبے ہوئے مضمون کی صورت میں مگر دعوت الی اللہ کا ذکر ہو اور صبر کا نہ ہو، یہ ہو نہیں سکتا صبر ضرور کسی نہ کسی رنگ میں مذکور ہوتا ہے۔

پس اس پہلو سے ذہن میں یہ خیال ابھرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی کوئی صفت صبور بھی ہوگی، شاید صبار بھی ہوگا وہ اور اس کے اسماء میں یہ نام ملیں گے لیکن آپ تلاش کریں سارے قرآن کریم میں کہیں صفات باری تعالیٰ یا اسمائے باری تعالیٰ کے طور پر صبور اور صبار کے الفاظ نہیں ملتے۔ جبکہ حدیث

میں ملتے ہیں اور ترمذی کے آخر پر جو فہرست ہے خدا تعالیٰ کے اسماء کی اس کے آخر پر صبور لفظ خدا کا اسم بتایا گیا ہے اور چونکہ روزمرہ ہم عبدالصبور اور امۃ الصبور نام بھی دیکھتے ہیں تو ظاہر ہے کہ سب اہل علم جنہوں نے یہ نام تجویز کئے وہ خدا کا نام تسلیم کر کے ہی اس کے ساتھ عبد یا امۃ کا لفظ لگاتے ہیں ورنہ تو یہ ایک مشرکانہ نام بن جائے۔ پس حدیث کے حوالے سے بھی جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے خدا کا صبور ہونا ایک قطعی بات ہے۔ سوال ہے کہ قرآن کریم میں کیوں یہ اہم صفت بیان نہیں ہوئی جبکہ اس کا حق سے بڑا تعلق ہے اور اشاعت حق سے اس کا بہت تعلق ہے۔ تو اس پر غور کرتے ہوئے جہاں میں نے احادیث میں صبر کے مضمون کو پڑھا ہے تو یہ معلوم ہوا ہے کہ صبر میں اصل میں بنیادی طور پر دو آزمائشیں انسان کے سامنے ہوتی ہیں ایک غصے کی آزمائش اور ایک رحم کی آزمائش۔ جہاں تک رحم کا تعلق ہے وہ آزمائش دو طرح سے ہے کسی دوسرے پر رحم آ رہا ہو یا اپنے آپ پر رحم آ رہا ہو، اپنے آپ کو قابل رحم حالت میں پائے کیونکہ یہ دوسرے حصے کا تعلق کسی پہلو سے بھی اللہ کی ذات سے ہو نہیں سکتا اور اس میں محض غصے والی حالت یعنی غضب کی حالت میں ہاتھ روک لینے والا مضمون ہے اس لئے مضمون کے لحاظ سے تو قرآن کریم میں یہ موجود ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تمہارے گناہوں پر خدا تمہاری پکڑ کرتا تو وہ زمین پر کوئی جاندار نہ چھوڑتا۔ تو یہ دراصل صبر ہی کی صفت ہے مگر اس پہلو سے اسے حلیم کہا جاتا ہے۔ حلم ہی دراصل صبر کی ایک شکل ہے اور چونکہ مضمون کے لحاظ سے صبر کا معنی خدا کی ذات میں پایا جاتا ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے اسمائے ذات باری تعالیٰ میں صبور نام کو بھی داخل فرمایا۔

خدا کن معنوں میں صبور ہے؟ یہ تو نہیں کہ خدا کے خلاف نعوذ باللہ من ذالک کوئی حملے ہو رہے ہیں اور وہ مجبور کیا جا رہا ہے، دردناک حالت میں پہنچ گیا ہے اور صبر کر رہا ہے۔ ہاں اس کے برعکس خدا کو غصہ دلانے کی بہت باتیں ہوتی ہیں اتنا زیادہ خدا کے خلاف باغیانہ اور شکر سے عاری رویہ اختیار کیا جاتا ہے کہ اگر ان باتوں پر صبر نہ کرے تو تمام دنیا کو ہلاک کر دے۔ پس یہ صبر مجبوری کا صبر نہیں ہے بلکہ حلم کا صبر ہے۔ اختیار ہے لیکن اس کے باوجود انسان جوابی کارروائی نہیں کرتا۔ اس صبر کے مضمون کو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے دشمنوں پر بددعا کرنے کے تعلق میں بیان فرمایا ہے۔ جہاں تک دشمن پر براہ راست غالب آنے کا تعلق ہے مسلمانوں میں ابتداءً جو کمزوری کی حالت

تھی جسمانی لڑائی میں تو کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی کہ وہ ان پر غالب آ سکے، نہ اللہ نے ان کو اس وقت اجازت دی کہ وہ مقابلہ کریں لیکن بددعا کا ایک رستہ کھلا تھا۔ چنانچہ ایک موقع پر بعض صحابہؓ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمیں بددعا کی اجازت دیں یا آپؐ بھی بددعا کریں تو آنحضرت ﷺ بستر پر آرام فرما رہے تھے، ٹیک لگا کر بڑے جلال کی حالت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور پہلی قوموں کے صبر کے واقعات بیان کئے اور یہ اجازت نہیں دی کہ ان پر بددعا کی جائے۔ (بخاری کتاب المناقب) انبیاءؑ بھی جب بددعا کرتے ہیں یا جب بھی کرتے ہیں تو اللہ کی اجازت سے اور بعض دفعہ اس کے اذن سے کرتے ہیں تو یہ صبر طاقت کا صبر ہے یہ کمزوری کا صبر نہیں ہے۔ اس صبر میں اللہ سے انسان کی مشابہت ہو سکتی ہے وہ غالب ہے وہ تباہی کی طاقت رکھتا ہے پھر بھی وہ مہلت دیتا چلا جاتا ہے۔ ان معنوں میں جو صبر کے مضمون ہی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے انسان بھی اگر مقابلے کی طاقت رکھتا ہو اور مقابلے سے باز رہے اللہ کی رضا کی خاطر یا کسی اعلیٰ قدر کے پیش نظر تو اسے بھی صبر کہا جائے گا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مضمون کو یوں بھی بیان فرمایا:

گالیاں سن کے دعا دیتا ہوں ان لوگوں کو
رحم ہے جوش میں اور غیظ گھٹایا ہم نے (درثمین: 17)

اور دوسری جگہ صبر کا لفظ استعمال کر کے بھی اسی مضمون کو باندھا ہے۔ کم سے کم انسان بددعا تو دے سکتا ہے، گالی کا جواب گالی بھی دے سکتا ہے اور اگر کوئی حاضر نہ ہو تو اسے یہ بھی خطرہ نہیں کہ طیش میں آ کر مجھے مارے گا، غائب میں بدکلامی کر سکتا ہے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان تمام امور میں جو حیرت انگیز صبر کا نمونہ دکھایا ہے دراصل اس کا تبلیغ کی کامیابی سے گہرا تعلق ہے۔ اس لئے اگرچہ خدا کا اسم صبر، ہمیں قرآن کریم میں اسم صبر کے معنوں میں دکھائی نہیں دیتا مگر حلم کے مضمون میں اور بعض دوسرے مضامین میں صبر کا مضمون ضرور ملتا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو آنحضرت ﷺ اللہ کے ناموں میں صبور نام داخل نہ فرماتے کیونکہ حضور اکرم ﷺ وحی سے کلام فرماتے تھے اس لئے بعض اسماء ایسے ہیں جو بطور وحی حضور اکرم ﷺ پر ظاہر فرمائے گئے اور ان میں صبور نام بھی ہے۔

میں نے بیان کیا ہے کہ اس پہلو سے کیونکہ تبلیغ سے اس کا بہت گہرا تعلق ہے اور مضمون دعوت الی اللہ کا بیان ہورہا تھا میں نے چند وہ آیات چنی ہیں جن کے حوالے سے میں دعوت الی اللہ کی کامیابی میں صبر کی جس حد تک ضرورت ہے اور کیسے صبر کیا جا سکتا ہے اس مضمون پر روشنی ڈالتا ہوں۔ ایک تو جیسا کہ میں نے بیان کیا۔ قرآن کریم کی سورۃ العصر میں فرمایا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ صبر کے ساتھ نصیحت کرتے ہیں صبر کے ساتھ نصیحت کا مطلب ہے نصیحت کرنا چھوڑتے نہیں ہیں نصیحت کرنے سے تھک نہیں جاتے اور مصائب پر صبر کی تلقین بھی کرتے ہیں، یہ سارے مضامین اکٹھے اس میں داخل ہیں۔ مگر اس لفظ صبر کے مختلف مواقع پر استعمال کی مثالیں ہمیں قرآن میں ملتی ہیں اب میں ان کے حوالے سے آپ کو سمجھاتا ہوں۔

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ (البلد: 18)

بعض صفات کا ذکر ہے، بعض حالات کا ذکر ہے ان حالات میں مومن کیا کرتا ہے اور کافر کیا کرتا ہے۔ اس موازنے کے آخر پر فرمایا۔ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا پھر وہ بد بخت جو نیکیوں سے محروم رہتا ہے اس سے یہ نہیں ہوتا کہ وہ ان لوگوں میں داخل ہو جائے جو ایمان لاتے ہیں۔ اب اس کا ذکر چھوڑ کر ایمان لانے والوں کا بیان شروع ہو گیا۔ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں وہ صبر کے ساتھ نصیحت کرتے ہیں اور مرحمة کی نصیحت کرتے ہیں یا مرحمة کے ساتھ نصیحت کرتے ہیں۔ اب مرحمة سے نصیحت کا کیا مطلب ہے؟ ایک مراد یہ ہے کہ ان کی نصیحت کسی غصے یا انتقامی کارروائی کے نتیجے میں نہیں ہوتی، کسی حقارت کے نتیجے میں نہیں ہوتی۔ ان کی نصیحت کا سر چشمہ رحمت ہے اور یہی معنی ہے جو آنحضرت ﷺ کے رحمۃ للعالمین ہونے میں پایا جاتا ہے۔ جس نے سب سے زیادہ دعوت الی اللہ کرنی تھی اسے سب سے زیادہ رحمت بنایا گیا اور تمام صحابہ کی بلا استثناء گواہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نصیحت میں غصے کا کوئی عنصر نہیں ہوتا تھا۔ ہمیشہ رحمت اور شفقت کے ساتھ نصیحت کیا کرتے تھے اور رحمت اور شفقت کی نصیحت ہی ہے جو کامیاب ہوا کرتی ہے۔

پس وہ لوگ جو تبلیغ کرتے ہیں اور کامیابی سے تبلیغ کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے لازم ہے کہ گفتگو کے دوران، بات پہنچاتے ہوئے اپنے دل کو ٹٹولتے رہیں کہ کیوں تبلیغ کر رہے ہیں کیا کوئی

نفسانی خواہش ہے اعداد کے بڑھنے کی یا محض اللہ کی رضا کی خاطر جس کو تبلیغ کر رہے ہیں اس کا بھلا چاہتے ہیں۔ یہ دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا کوئی اپنی غرض ہے یا دوسرے کا بھلا۔ دوسرے کا بھلا غصے سے تو نہیں چاہا جاتا یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ کسی کو غصہ آ جائے اور آپ کہہ رہے ہوں میں بھلا چاہ رہا ہوں تمہارا۔ رحمت ہی ہے جو دراصل تبلیغ کا محرک ہونی چاہئے اور یہی رحمت تھی جو آنحضرت ﷺ کی تبلیغ کا محرک تھی۔ آپ کو رحم آتا تھا دوسروں پر، ان کی بدحالی پر، ان کی بدنصیبی پر، ان کے بد انجام پر۔ اور یہ رحم جوش مارتا تھا تو آپ اُن کی خاطر تکلیف میں مبتلا ہو کر بھی نصیحت کرتے تھے تو یہی وہ رحمت ہے جو صبر کی توفیق بخشتی ہے۔

صبر کا رحمت سے براہ راست گہرا تعلق ہے جتنا کسی سے پیار ہوا تنا ہی زیادہ اس کی طرف سے زیادتیاں انسان برداشت کر سکتا ہے۔ بعض مائیں بچوں کو جب دوائیاں دیتی ہیں تو بعض دفعہ بچے غصے میں آ کے مارتے ہیں آگے سے، منہ نوچ لیتے ہیں مگر ماں تو ہنستی رہتی ہے یا صبر کرتی ہے اور آخر دوا پلا کے چھوڑتی ہے غصے کی وجہ سے نہیں بلکہ رحمت کی وجہ سے۔ پس رحمت کا صبر سے یہ تعلق ہے کہ جتنی رحمت زیادہ ہوا تنا ہی صبر کی توفیق بڑھتی ہے، صبر کا معیار اونچا ہوتا چلا جاتا ہے۔ پس آنحضرت ﷺ کو بھی قرآن کریم نے صبر کے مضمون میں سب سے بلند و بالا دکھایا ہے بلکہ صبر کرنے والوں کا اکٹھا ذکر کرنے کے بعد اگلے مرتبے اور مقام پر محمد رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا ہے جو صبر سے بالا مقام ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ آنحضورؐ کی تبلیغ کی کامیابی دراصل آپؐ کی رحمت میں تھی چونکہ رحمت بے انتہا تھی اور سب دنیا پہ چھائی ہوئی تھی اس لیے اسی نسبت اور توفیق سے آپؐ کو صبر کا بڑا پیمانہ عطا کیا گیا اور صبر کے بڑے پیمانے کو قرآن کریم ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ (حم السجدہ:36) کے الفاظ سے ظاہر فرماتا ہے۔ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا یہ جو عظیم کامیابی ہے تبلیغ میں کہ دشمن جاں نثار دوست بن جائے فرمایا وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ اور یہ عظیم توفیق تو دراصل اسی کو مل سکتی ہے جسے صبر میں سے بہت بڑا حصہ عطا کیا گیا ہو، جس کے صبر کا پیمانہ بہت ہی وسیع ہے یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کا نام لئے بغیر یہاں آپؐ کی ایک ایسی صفت بیان فرما دی گئی جو آپؐ کو تمام دوسرے صحابہؓ میں ممتاز کر رہی تھی اپنی ذات میں ایک الگ مقام اور مرتبہ بنائے ہوئے تھی۔ اس صفت کے حوالے سے میں آپ کی خدمت میں عرض کر رہا ہوں کہ یہ چیزیں اکٹھی ایک دوسرے سے

تعلق رکھنے والی ہیں۔رحمت کے نتیجے میں تبلیغ ہوتو کامیاب ہوتی ہے۔رحمت کے نتیجہ میں تبلیغ ہوتو صبر کی توفیق ملتی ہے اور صبر جو ہے پھر دوطرح سے تبلیغ کے کام میں مدد بنتا ہے۔ایک یہ کہ جس پر رحم آئے اور آپ اس کی خاطر کچھ کرنا چاہیں وہ نہ مانے ۔بعض دفعہ اولاد، بعض دفعہ دوست اور قریبی اپنا نقصان کررہے ہیں آپ کا دل چاہتا ہے کہ ان کی اصلاح کریں رحم جوش میں ہے لیکن وہ مانتے نہیں ہیں آزاد اور خودمختار ہیں تو اس صورت میں رحمت غم میں تبدیل ہوتی ہے، غصے میں نہیں تبدیل ہوتی۔شریکہ غصے میں تبدیل ہوجاتا ہے۔دنیاداریاں جو ہیں یا دنیاداریوں کے تعلق یہ نفرتوں میں بدل جاتے ہیں۔مگر رحمت ہمیشہ صبر میں تبدیل ہوتی ہے اور صبر کے نتیجہ میں پھر دعا کی توفیق ملتی ہے۔پس صبر کا ایک یہ فائدہ ہے اور یہاں بے اختیاری دعا بنتی ہے اور یادرکھیں کہ جب رحمت کا جوش ہو اور بے اختیاری ہو تو وہ دعا مضطر کی دعا بن جاتی ہے۔ایسے شخص کی دعا جو کوئی چارہ نہیں پاتا کوئی اختیار نہیں دیکھتا وہ دعا بہت ہی عظیم الشان دعا ہے وہ سب سے زیادہ مقبول ہوتی ہے اور اللہ کی بارگاہ میں جگہ پاتی ہے۔

پس حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی رحمت صبر میں ڈھلتی تھی، صبر دعائیں بن جاتا تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپؐ کی تبلیغ کی کامیابی کا جو نکتہ بیان فرمایا وہ دعا ہی بیان کی ہے۔حالانکہ جو قرآن کریم میں نصیحت کا مضمون ہے وہاں دعا کا ذکر ملتا نہیں۔ اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ (النحل:126) تو ہے لیکن لوگوں کو بلانے کا ذکر ہے اور آگے مضمون نصیحت اور پھر صبر میں ڈھل جاتا ہے اور بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ دعا کی ضرورت تو تھی مگر ذکر نہیں فرمایا گیا لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ صبر کا مضمون اگر آپ آنحضرت ﷺ کے حوالے سے سمجھیں تو حقیقت یہ ہے کہ صبر ہی ہے جو دعا کا محرک بنتا ہے اور صبر والے ہی کی دعا ہے جو دراصل مقبول ہوتی ہے، بے صبرے کی دعا کوئی معنی نہیں رکھتی۔خدا کے ہاں تو ہر دعا مقبول ہوسکتی ہے لیکن عام قاعدہ کلیہ کی بات میں کررہا ہوں کہ جو صبر کرنے والے کی دعا ہے اس دعا میں بھی طاقت ہوتی ہے اور صبر کرنے والے کی بددعا میں بھی طاقت ہوتی ہے۔اس لئے محاورے میں کہا جاتا ہے کہ اس کا صبر اس پہ ٹوٹا کیونکہ صبر کے نتیجے میں کیونکہ رحمت سے صبر کا تعلق ہے انسان لمبے عرصے تک کسی کے ظلم برداشت کرتا چلا جاتا ہے اور اس کے خلاف بددعا کے لئے زبان نہیں کھولتا لیکن ایک ایسا مقام آجاتا ہے کہ بعض دفعہ خود پیمانہ لبریز ہوجاتا ہے، بعض دفعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اذن دیا جاتا ہے کہ اب اس پر بددعا کرو تو وہ دعا جو ہے وہ بددعا کی صورت میں

سب سے زیادہ قوت کے ساتھ دشمن پر بجلی بن کے گرتی ہے اور ہر قسم کی طاقت خدا کی طرف سے نازل ہوتی ہے مگر دعا ہی میں وہ طاقت بنتی ہے جو آسمان سے پھر اترتی ہے اور وہی صبر ٹوٹنا ہے اصل میں۔ عام دنیا کے محاورے میں صبر ٹوٹنے سے مراد لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ادھر صبر ہوا اور منہ سے کوئی کلمہ نکلا ادھر کوئی شخص تباہ ہو گیا یہ بالکل غلط بات ہے۔ صبر آسمان سے ٹوٹتا ہے اور وہی صبر ٹوٹتا ہے جو آسمان پر جاتا ہے اور مقبول ہو کر پھر عذاب الٰہی بن کر دوبارہ نازل ہوتا ہے۔ تو چونکہ یہ ایک بہت ہی خطرناک چیز ہے اور صبر کی بددعا چونکہ قوموں کو ہلاک کر سکتی ہے اسی لئے آنحضرت ﷺ نے اس وقت بڑے جلال کا اظہار فرمایا کہ جو کمزور صحابہؓ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے بڑے ہی دردناک حالات پیش کئے یا رسول اللہؐ! اب تو یہ ہو گیا ہے، یہ ہو گیا، حد ہو گئی ہے کوئی بددعا کی تو اجازت ملے۔ بڑے جلال سے آپؐ نے فرمایا بالکل نہیں، دیکھو تم سے پہلے کیسے لوگ تھے کیا کیا ان پر مظالم ہوئے، کیسے کیسے ان کے سروں کو آروں سے چیر دیا گیا مگر وہ صبر کرتے رہے۔ پس بددعا کی بھی اجازت نہ دی لیکن جب اللہ بددعا کی اجازت دیتا ہے تو پھر اس سے زیادہ قوم کی ہلاکت کو یقینی بنا دینے والی اور کوئی چیز نہیں ہوتی۔

اس ضمن میں گزشتہ سال جرمنی میں جو میں نے بددعا کا ایک مضمون بیان کیا تھا کہ اس کے پیش نظر ان کے جو چوٹی کے علماء ہیں جنہوں نے ظلم کی حد کر دی ہے ان کے خلاف بے شک بددعا کریں۔ یہ ایک استنباط تھا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے ان الہامات کے مطالعہ سے جو 1894ء میں ہوئے تھے اور میرا عموماً یہ طریق ہے کہ جس سال میں داخل ہوتا ہوں اس سال کے الہامات پر خصوصیت سے نظر ڈالتا ہوں اور میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ السلام کا زمانہ اپنی برکتوں میں بھی اور نشانات میں بھی کئی رنگ میں دہرایا جا رہا ہے اور بعض دفعہ تو سال بدلتا ہے تو یوں لگتا ہے ایک ورق الٹ گیا ہے اب اگلے ورق کی باتیں شروع ہو گئی ہیں پس اس پہلو سے جب میں نے مطالعہ کیا تو اس سال کے الہامات میں نہ صرف اجازت تھی بلکہ حکم تھا کہ اب ان لوگوں پر جو سربراہ ہیں ظلم کے ان پر بے شک دعا کرو **اللھم مزقھم کل ممزق و سحقھم تسحیقاً** اور پھر قبولیت کے رنگ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، پارہ پارہ کر دیا، تو میں نے یہ بتایا تھا جماعت کو کہ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ نعوذ باللہ ساری قوم کے لئے بددعا کی جائے۔ جو قوم محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہوتی ہے اس پر کسی کو بددعا کا حوصلہ نہیں ہو سکتا خواہ وہ کیسا ہی ظلم

کرنے والی ہو اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے اسی مضمون کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اے دل تو نیز خاطر ایناں نگہدار

کاخر کنند دعویٰ حب پیمبرم (درثمین فارسی: 107)

اے دل تو ان لوگوں کی طرف نگاہ کر کہ آخر میرے آقا محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت کا دعوی تو کرتے ہیں۔ پس اس بددعا کی اجازت کو میں نے مخصوص کر دیا تھا اور اس میں یہ دلیل قائم کی تھی کہ قوم کی ہمدردی بعض دفعہ قوم کو نقصان پہنچانے والوں کے لئے بددعا کی صورت میں بھی ظاہر ہوتی ہے۔ وہ لوگ جو مسلسل قوم کی ہلاکت کے سامان کر رہے ہیں جن کے ہوتے ہوئے نحوستیں ہی نحوستیں پھیل رہی ہیں، جن کے ہوتے ہوئے شر بڑھ رہے ہیں اور مصیبتیں عام ہو گئی ہیں جن کے ہوتے ہوئے خیر اٹھتی چلی جا رہی ہے اگر ان پر بددعا کی جائے تو یہ بھی درحقیقت جذبۂ رحم ہی سے پھوٹنی چاہئے قوم پر رحم ان کے لئے بددعا کا تقاضا کرتا ہے۔ پس اپنے دل کو ٹٹول کر، اپنی نیتوں کو صاف ستھرا کر کے وہ کام کریں جو انبیاءؑ کی سنت کے مطابق ہوں اور الہامات میں جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے ان کے اشارے پائے جاتے ہوں یا بعض دفعہ صریحاً ان کی ہدایت پائی جاتی ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا انتظار کریں وہ ضرور ظاہر ہو گی پس تبلیغ کے جس دور میں ہم داخل ہوئے ہیں یہاں خصوصیت سے صبر کی ضرورت ہے اور صبر کے بغیر کوئی تبلیغ کامیاب ہو ہی نہیں سکتی۔

اللہ کا نام قرآن میں صبور اس لئے نہیں ہے کہ اس میں بعض دفعہ بے اختیاریاں، مجبوریاں، قابل رحم حالت کا ہونا، یہ مضامین اتنے زیادہ پائے جاتے ہیں کہ لوگوں کے لئے غلط فہمی کا امکان تھا مگر آنحضور ﷺ نے قرآن ہی سے استنباط کرتے ہوئے آپ کا ایک نام صبور ضرور بیان فرمایا ہے اس حوالے سے ہمیں صبور بننا ہوگا اور وہ صبور بننا طاقت کے باوجود صبر دکھانا ہے کمزوری کا صبر نہیں ہے اور اس پہلو سے جماعت کو یاد رکھنا چاہئے کہ اگر مظلوم ہوں، مجبور ہوں، بے اختیار ہوں اور کہیں کہ ہم صبر کر رہے ہیں تو یہ صبر، صبر تو ہوگا مگر بے حقیقت اور بے معنی، ایک کمزوری کا نشان ہے۔ صبر وہ ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ ہمارے گناہوں پر صبر کرتا ہے، ہمیں کچلنے کی طاقت رکھتا ہے لیکن رک جاتا ہے۔ ان معنوں میں وہ صبور ہے پس جب بھی یہ لوگ بعض جگہ اقلیتیں بن جائیں گے اور بن رہے ہیں جب بھی یہ مخالف آپ کے رحم و کرم پر ہوں اس وقت ان سے حسن سلوک کرنا اور انتقامی کارروائی نہ کرنا یہ

آپ کے صبر کی دلیل ہوگا۔ اگر مغلوب ہوں، کمزور ہوں اور کچھ نہ کریں اور طاقت حاصل کرتے ہی بدلے لینے شروع کر دیں تو ثابت ہوا کہ پہلے بزدلی تھی، نامرادی کی سی حالت تھی ورنہ دل تو یہی چاہتا تھا کہ ہم خوب بدلے لیں۔ اس لئے بعض دفعہ فتح کے بعد، فتح سے پہلے کے حالات آزمائے جاتے ہیں۔ فتح سے پہلے کی اندرونی حالتیں کھل کر فتح کے بعد سامنے آجاتی ہیں۔

یہی وہ مضمون ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے خلافت کے منصب سے کچھ پہلے ایک رؤیا کی صورت میں دکھایا اور مجھے غالباً اسی کے لئے تیار کرنا تھا۔ وہ پہلے جلسہ سالانہ پر بھی میں نے رؤیا بیان کی تھی مگر اس مضمون سے چونکہ تعلق ہے اس لئے میں دوبارہ آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ ایک مجلس میں احمدی اور غیر احمدی علماء کے درمیان مناظرہ ہو رہا ہے، گفتگو ہو رہی ہے اور میں بھی اس میں شامل ہوں لیکن کچھ ہلکا ہلکا خاموش خاموش سا ہوں کھل کر نمایاں اس میں حصہ نہیں لے رہا۔ لیکن اور علماء موجود ہیں گفتگو ہو رہی ہے یہاں تک کہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ دلائل کے لحاظ سے مغلوب ہو چکے ہیں۔ جب وہ مغلوب ہو جاتے ہیں تو ان میں سے ایک شخص اٹھ کر یہ سوال اٹھاتا ہے کہ دیکھو ہمارے لئے تو تمہارے ساتھ شامل ہونے کی، تمہیں قبول کرنے کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہی۔ ہم نے اتنے ظلم کئے ہیں تمہارے اوپر، ایسی ایسی زیادتیاں کی ہیں کہ اگر ہماری تائید کے نتیجے میں تم غالب آ گئے تو تم ہمیں کچل دو گے ہم سے سب بدلے لو گے اس لئے ہم نے اپنے لئے ہدایت پانے کی کوئی راہ ہی باقی نہیں چھوڑی، اب ہم ڈرتے ہیں کہ تم غالب آ گئے تو ہم سے انتقام لو گے۔ اس وقت میں پہلے جو حصہ تھا وہ مجھے اب تفصیل سے یاد نہیں کن معنوں میں تھا لیکن ہلکا نظر آتا تھا ایک دم جوش سے اٹھ کھڑا ہوتا ہوں اور میں ان سے کہتا ہوں۔ یہ عجیب فقرہ زبان سے جاری ہوتا ہے کہ میں لجنہ اماء اللہ کے ان تیروں میں سے ہوں جنہیں ایک خاص وقت کے لئے بچا کر رکھا جاتا ہے مگر بعض دفعہ وہ وقت اندازے سے پہلے آ جاتا ہے۔ پس اب وہ وقت آ چکا ہے کہ یہ تیر استعمال ہو۔ وہ مقابلہ ہے چونکہ اس لئے محاورہ تیر کا چل رہا ہے۔ میں کہتا ہوں میں آپ کو جواب دیتا ہوں کہ آپ نے جو ہم پر مظالم کئے ہم سے آپ کو کیوں خطرہ نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں دیکھو ایک عاشق مسلسل معشوق کے ہاتھوں ستایا جاتا ہے اور معشوق اس پر طرح طرح سے مظالم کرتا ہے لیکن جب وہ معشوق پر غالب آ جاتا ہے تو اس سے معافیاں مانگتا ہے اس کے پاؤں دھوتا ہے اور اسی کے پاؤں چومتا ہے

اور کہتا ہے کہ مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی، کوئی بے صبری کے نتیجے میں ایسی بات ہوگئی ہو جس سے تمہاری دل آزاری ہوتی ہو مجھے معاف کردو۔ عاشق انتقام لے کر اپنے معشوق سے اپنے غلبے کو نہیں منا تا اور بھی اس کے قدموں میں گر جاتا ہے۔ پس تم شوق سے آؤ اور احمدیت قبول کرو تم دیکھو گے کہ ہمارا یہی حال ہوگا ہم تم سے اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگیں گے اور تمہارا استقبال کریں گے جیسے ایک عاشق معشوق کا استقبال کرتا ہے۔

پس یہی وہ مضمون ہے درحقیقت جواب عملاً جاری ہو چکا ہے۔ اس میں نصیحت بھی تھی اور پیشگوئی بھی تھی۔ پیشگوئی کے یہ معنی تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل اور رحمت سے میرے دور میں وہ اس خواب کی تعبیر کس طرح ظاہر فرمائے گا کہ جہاں بڑی بڑی شدید مخالفتیں تھیں ان پر ہمیں غلبہ عطا کرے گا اور غلبہ رحمت اور محبت اور عشق کے نتیجے میں عطا کرے گا اور اسی غلبے کے بعد ہمیں متکبر نہیں ہونے دے گا بلکہ اور بھی زیادہ ہم عاجزی کے ساتھ گر جائیں گے اور جن لوگوں پر ہمیں فتح نصیب ہو گی ان کی پہلے سے بڑھ کر خدمت کریں گے۔ پس یہی ہے صبر اور رحمت کا مضمون۔ صبر سے اس کام کو کرتے چلے جاؤ لیکن انتقام کا کوئی جذبہ اپنے دل میں آنے نہ دو رحم کی خاطر، محبت اور پیار کی خاطر اگر تبلیغ کرو گے تو لازماً اس میں کامیابی نصیب ہوگی۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَ
اُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ
جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۵﴾ (الانعام:35)

یقیناً رسولوں کو تجھ سے پہلے بھی جھٹلا دیا گیا فَصَبَرُوْا تو انہوں نے اس جھٹلانے کے نتیجے میں صبر کیا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا اس بات پر جس پر ان کو جھٹلایا گیا۔ اس طریق پر کہ یہ معنی ہیں جس پر انہیں جھٹلایا گیا۔ وَاُوْذُوْا اور وہ بہت دکھ دیئے گئے۔ حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا یہاں تک کہ ان تک ہماری نصر آئی، ہماری مدد ان تک آ پہنچی۔ تو صبر کا دوسرا تعلق خدا کی خاطر دکھ برداشت کرنے سے ہے جس کے نتیجے میں آسمان سے غیر معمولی نصرت کی تائید اترتی ہے۔

ایک پہلو میں نے بیان کیا ہے اگر صبر کرنے والے کے دل سے ایسی بددعا نکلے جو مومن کی شایان شان ہو، جو انبیاء کی سنت کے مطابق ہو، اس میں اذن الٰہی شامل ہو تو وہ بددعا دشمن کو ہلاک کرنے کے لئے ایک حیرت انگیز کام دکھاتی ہے۔

کبھی نصرت نہیں ملتی در مولیٰ سے گندوں کو (درثمین:63)

والا جو مضمون ہے اس میں یہی مضمون تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ تو پہلی مثال میں نے آپ کو دی جو ہم بددعا کرتے ہیں اس کی جڑ بھی دراصل آخری صورت میں رحم پر ہے اور ایک محدود طبقے کے لئے کرتے ہیں اور اس میں میں آپ کو یاد دہانی کرواتا ہوں کہ دعا کرنے میں بھی صبر ضروری ہے، صبر سے کرتے چلے جائیں اور جلدی نہ چاہیں۔ جب بھی خدا چاہے گا وہ دعا آپ کی ضرور قبول ہوگی اور وہ جو دشمنی اور ظلم اور سفا کی میں نہ صرف خود بہت آگے بڑھ گئے ہیں بلکہ ساری قوم کو ظالم بنا رہے ہیں اللہ کی تقدیر ضرور ان کو پکڑے گی، اس میں تو کوئی شک کی گنجائش نہیں لیکن زیادہ توجہ رحمت والی اسی دعا کی طرف کریں جس کے نتیجے میں قوم میں حیرت انگیز پاک تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔

اور اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ یہ سمجھا رہا ہے آنحضرت ﷺ کو مخاطب فرماتے ہوئے کہ دیکھ تجھ سے پہلے بھی تو بہت سے رسول تھے جنہیں جھٹلا دیا گیا اور جس طرح جھٹلائے گئے، وہ جس جس طریق پر جھٹلائے گئے انہوں نے ان پر صبر کیا اور بہت دکھ دیئے گئے لیکن صبر نہیں ٹوٹا حَتّٰۤى اَتٰهُمْ نَصْرُنَا یہاں تک کہ ہماری مدد ان تک آپہنچی۔ آسمان سے جب نصرت آنے کا وقت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس شان سے بھیجتا ہے کہ اچانک فتح ہی فتح ہو جاتی ہے یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کایا پلٹ گئی ہو۔ تو وہ وقت بھی لازماً آئے گا۔ بعض ممالک میں آرہا ہے اور حیرت انگیز روحانی انقلاب برپا ہو رہے ہیں لیکن پاکستان کے حوالے سے میں بتا رہا ہوں کہ یہاں بھی یہ ہو کر رہے گا۔ جو چاہیں یہ علماء کر لیں جو زور لگانا ہے لگا لیں جس طرح چاہیں روکیں ڈالنے کی کوششیں کریں، ہر روک ان کی خس و خاشاک کی طرح اڑا دی جائے گی۔ کوئی بس نہیں چلے گا یہ خود پکڑے جائیں گے اور عبرت کا نشان بنیں گے اور قوم کی اکثریت انشاء اللہ تعالیٰ ہدایت پائے گی۔ لیکن ابھی دکھ اور صبر کے کچھ اور دن ہمیں دیکھنے ہیں اس لئے دکھ کو صبر کے ساتھ برداشت کرتے چلے جائیں اور یاد رکھیں کہ یہ سنت اللہ ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں۔ یہ فرمانے کے بعد کہ دیکھ اے محمد ﷺ تجھ سے پہلے بھی لوگوں کو، انبیاء کو جھٹلایا گیا

انہوں نے صبر کیا اور دکھ دیئے گئے یہاں تک کہ ہماری مدد آئی۔ فرماتا ہے وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ یہ کوئی ٹلنے والی بات نہیں ہے جس نصر کی ہم بات کر رہے ہیں اس کو کوئی دنیا کی چیز تبدیل نہیں کر سکتی وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ اور تیرے پاس مرسلین کی خبریں آ چکی ہیں تو جانتا ہے کہ ایسا ہی ہوا کرتا ہے پس اب بھی ایسا ہی ہوگا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی جس زور کے ساتھ بھی جھٹلایا گیا ہے، جس ظلم اور سفا کی کے ساتھ جھٹلایا گیا ہے، تمام انبیاء کی تاریخ میں شاذ ہی آپ کو کوئی دکھائی دے جس کو اس طرح ظلم اور سفا کی کے ساتھ جھٹلایا گیا ہو۔ نوحؑ کی قوم کی ایک مثال ہے لیکن اسے صفحہ ہستی سے مٹا دیا گیا تھا۔ یہاں مشکل یہ ہے کہ اس قوم کو ہم بچانا چاہتے ہیں اور اس قوم کے ظالموں کو مٹانا چاہتے ہیں۔ پس ایک طرف بد دعا محدود دائرے میں اللہ کی رضا کے تابع رہتے ہوئے ضروری ہے، دوسری طرف صبر ضروری ہے عام قوم کو بچانے کے لئے اور ان پر رحم کی خاطر۔ اگر ایسا ہوگا تو جیسا کہ میں نے آیت کے اس حصے پر زور دیا ہے وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ہماری نصرت اور فتح میں ایک ذرے کی بھی شک کی گنجائش نہیں، یہ اللہ کا کلام ہے اور اللہ کا کلام تبدیل نہیں ہوا کرتا۔

صبر کے ساتھ ایک اور مضمون کو بھی باندھا گیا ہے فرمایا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (البقرہ:154)۔ اب صلوۃ پہلے نہیں رکھا حالانکہ صلوٰۃ بنیادی چیز ہے۔ فرمایا ہے اے لوگو جو ایمان لائے ہو مدد مانگو صبر کے ساتھ اور صلوٰۃ کے ساتھ صبر ایک جاری چیز ہے جب انسان دکھوں کی حالت میں صبر کرتا ہے تو اس کا دن بھی صبر میں کٹتا ہے اس کی رات بھی صبر میں کٹتی ہے۔ ہر لحہ بے چین ہوتا ہے، ہر لحہ صبر کی آزمائش ہوتی ہے اور صلوٰۃ کے لئے تو کھڑے ہونے کا وقت تو کبھی کبھی آتا ہے۔ تو فرمایا کہ نماز کا انتظار نہ کیا کرو صبر کی حالت میں دعائیں مانگتے رہو اور پھر جب نماز کا وقت آئے تو خصوصیت کے ساتھ نماز میں کھڑے ہو کر سجدہ ریز ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو اور صبر کرنے والوں کی یہ دعائیں رائیگاں نہیں جاتیں۔ پس ایک ضمنی فائدہ اس سے یہ بھی حاصل ہوا کہ اگر آپ صبر کرتے رہیں اور عبادت نہ کر رہے ہوں، صبر ہی کرتے رہیں اور آپ کا خدا سے کوئی ذاتی تعلق ہی قائم نہ ہو تو یہ صبر رائیگاں جائے گا۔ کئی لوگ ہیں جو مصیبتوں میں ڈالے جاتے ہیں لیکن ان مصیبتوں کے نتیجے میں اللہ سے تعلق قائم

نہیں کرتے۔ وہ صبر کسی فائدے کا نہیں، کبھی نتیجہ خیز نہیں ہوتا بلکہ ایسے صبر کرنے والے بسا اوقات صفحۂ ہستی سے مٹا دیئے جاتے ہیں، کوئی ان کا مددگار نہیں ہوتا، کوئی ان کی اعانت کرنے والا نہیں ہوتا۔ پس اللہ فرماتا ہے کہ ایمان لانے والو صبر کے ساتھ استعانت کرتے رہو یعنی اللہ سے مدد مانگتے رہو، اعانت مانگتے رہو اللہ کی۔ اس کا مطلب وَاسۡتَعِيۡنُوۡا۔ وَالصَّلٰوةِ اور نماز نہیں بھولنی۔ عبادت کا قبولیت دعا سے اور تعلق باللہ سے گہرا تعلق ہے۔ پس جماعت احمدیہ کو جہاں جہاں خصوصیت سے وہ دردناک حالات سے گزر رہی ہے اور صبر کر رہی ہے یاد رکھنا چاہئے کہ عبادت لازم ہے اور ہمیں اپنے عبادت کے معیار کو لازماً اونچا کرنا ہوگا۔

جنگ بدر کے وقت جو مقبول دعا آنحضرت ﷺ نے کی وہ عبادت ہی کے حوالے سے تھی۔ آپ نے عرض کیا کہ اے خدا اگر اس میدان میں ہم مارے گئے تو پھر تیری دنیا میں کبھی عبادت نہیں کی جائے گی کیونکہ وہ سب سے بڑا عبد محمد رسول اللہ ﷺ جنہوں نے خود عبادت کے گر سکھائے تھے۔ تیری عبادت کرنے والوں کا خلاصہ تیار ہوا ہے جو انسانیت کا معراج ہے اگر یہ مٹ گیا تو پھر کون عبادت سکھائے گا ان کو اور کون عبادت کرے گا۔ یہ مضمون ہے اور اتنی طاقتور دعا تھی کہ آناً فاناً جنگ کی کایا پلٹ گئی۔ پس الصَّلٰوةِ کا اس مقابلے سے تعلق ہے جو کمزور لوگوں کا طاقتور لوگوں سے ہو جاتا ہے اور وہیں صبر کا مضمون آتا ہے اور وہیں صلوٰۃ کی زیادہ ضرورت پیش آتی ہے۔ پس اپنی عبادت کے معیار کو بھی بلند کریں اور اپنے گھروں میں اپنے گردو پیش خصوصیت کے ساتھ نماز قائم کرنے کی تلقین کریں کیونکہ مجھ پر یہ تاثر ہے کہ ابھی بہت سی جماعتوں میں نماز کی طرف سے غفلت ہے۔ پڑھتے تو ہیں لیکن جس طرح نماز کے قیام کا حق ہے کہ پورے انہاک کے ساتھ، جدوجہد کے ساتھ، جذبے کے ساتھ لگن کے ساتھ خود بھی نماز پڑھنے والے ہوں، اپنے گردو پیش میں بھی نماز کی تلقین کر رہے ہوں، اپنے گھر والوں کو بھی نمازی بنا رہے ہوں یہ چیز اس شان سے نہیں پائی جاتی اور ضرورت ہے کہ ہر گھر میں ہمارے نماز کو اہمیت دی جائے اور اگر نماز کو اہمیت دیں گے تو پھر آپ کا صبر اور بھی زیادہ پھل دار بن جائے گا کیونکہ نماز کے ساتھ جب استعانت کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی نصرت ضرور نازل ہوگی۔

پھر صبر کا مضمون عبادت کے علاوہ عمل صالح سے بھی تعلق رکھتا ہے یعنی خالی صبر کوئی چیز نہیں

ہے۔ اگر ایک کمزور، نکمے، بیکار، بداخلاق آدمی نے صبر کر بھی لیا تو کیا صبر کیا وہ تو کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا محض ایک کمزوری اور ناچاری کی دلیل ہے اللہ تعالیٰ جس صبر کی تلقین فرما رہا ہے اس مضمون کو کھولتا چلا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے اس کے ماحول کو بیان فرمایا ہے وہ کون سا صبر ہے جو طاقتور صبر ہے جس نے انقلاب برپا کرنے ہیں۔ ان لوگوں کا صبر ہے جو دنیا میں عظیم روحانی انقلاب برپا کر دیا کرتا ہے۔ وہ لوگ جو اس طرح صبر کرتے ہیں، اس طرح صبر کرتے ہیں، اس طرح صبر کرتے ہیں اور صلوٰۃ پر قائم فرمانے کے بعد صبر کرنے والوں کو پھر فرماتا ہے ان کے عام اعمال بھی بہت اچھے ہو جاتے ہیں، بہت دلکش اعمال ہوتے ہیں لوگوں کی ان پر پیار سے نظریں پڑنے لگتی ہیں ان کے کردار سے لوگ متاثر ہوتے ہیں۔ فرماتا ہے ہر قسم کے لوگ جو لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ہوں وہ مٹ جانے والے لوگ ہیں۔ مگر اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (ھود: 11) ہاں وہ لوگ جو صبر کرتے ہیں اور نیک اعمال بجالاتے ہیں اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ایسے صبر کرنے والوں کے لئے دو وعدے ہیں۔ ایک مغفرت اور اعمال صالحہ کے تعلق میں مغفرت کا مضمون یہ بتاتا ہے کہ اعمال صالحہ کے ہوتے ہوئے بھی ہم میں سے اکثر کئی گناہوں میں ملوث ہو جاتے ہیں کئی کمزوریاں دکھا جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر صبر کے ساتھ اعمال صالحہ کرو یعنی اس میں صبر اور اعمال صالحہ کے مضمون میں کئی پہلو ہیں۔ ایک یہ بھی ہے کہ صبر کرو اور اعمال صالحہ بجالاؤ یا صبر کے ساتھ اعمال صالحہ بجالاتے رہو، کوشش کرتے رہو کہ تم سے نیک باتیں ظاہر ہوں، بدیاں ظاہر نہ ہوں۔ کوشش کرو کہ تم ایک پاک نمونہ دنیا کو دکھاؤ۔ تو اللہ تعالیٰ یہ وعدہ فرماتا ہے کہ تم سے مغفرت کا سلوک فرمائے گا تمہاری جو کمزوریاں ہوں گی ان سے صرف نظر فرمائے گا اور انہیں معاف فرمادے گا اور تمہیں اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ یہاں بھی اجر عظیم اور مغفرت کو صبر ہی کے مضمون کے ساتھ باندھا ہے۔

یہ آیت سورہ ہود کی بارہویں آیت تھی جو میں نے پڑھ کے سنائی ہے۔ اب سورہ الاحقاف کی آیت 36 میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے

فَاصۡبِرۡ کَمَا صَبَرَ اُولُوا الۡعَزۡمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسۡتَعۡجِلۡ لَّہُمۡ ؕ کَاَنَّہُمۡ یَوۡمَ یَرَوۡنَ مَا یُوۡعَدُوۡنَ ۙ لَمۡ یَلۡبَثُوۡۤا اِلَّا سَاعَۃً مِّنۡ نَّہَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ فَہَلۡ یُہۡلَکُ اِلَّا الۡقَوۡمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۳۶﴾

پس اے محمدؐ! جب میں کہتا ہوں تو مراد ہے اللہ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا لیکن آیت میں نام مذکور نہیں ہوتا، ضروری نہیں ہے مگر واضح ہوتا ہے، قطعی طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ ہی مخاطب ہیں۔ فَاصۡبِرۡ جب کہتے ہیں تو مراد ہے اے رسول اے محمدؐ! فَاصۡبِرۡ ۔ پس صبر کر کَمَا صَبَرَ اُولُوا الۡعَزۡمِ مِنَ الرُّسُلِ ایسا صبر کر جیسا رسولوں میں سے اولوالعزم کیا کرتے تھے یعنی عام نبیوں والا صبر بھی نہیں تو رسولوں میں سے بھی صبر کے معیار میں بھی کچھ بہت بلند تھے ان کو پیش نظر رکھ کیونکہ تو خاتم النبیین ہے تجھ سے تمام اخلاق میں سے بہترین کی توقع کی جاتی ہے پس صبر کر کَمَا صَبَرَ اُولُوا الۡعَزۡمِ مِنَ الرُّسُلِ رسولوں میں سے جو اُولُوا الۡعَزۡمِ تھے جیسا صبر انہوں نے کیا اس طرح صبر کر۔ وَلَا تَسۡتَعۡجِلۡ لَّہُمۡ اور ان کے لئے جلدی نہ چاہ، کن کے لئے جلدی نہ چاہ کفار کے لئے، ظلم کرنے والوں کے لئے، جن کے مقابل پر جن کی اذیتوں پر صبر کیا جا رہا ہے۔ اس میں ایک تو ظاہر معنی ہے کہ ان پہ بددعا کے لئے جلدی نہ کر اور دوسرا ہے ان کا انجام دیکھنے میں جلدی نہ کر، جب وقت آئے گا تو ان کا انجام ظاہر ہو جائے گا عام طور پر ترجمہ کرنے والے بددعا ہی کی طرف جاتے ہیں مگر تَسۡتَعۡجِلۡ میں ہر قسم کی بات شامل ہے بعض دفعہ انسان فتح دیکھنے کے لئے بھی بے قراری دکھاتا ہے کہ کیوں دیر ہو رہی ہے جلد فتح کیوں نہیں آتی۔

چنانچہ اسی مضمون کو قرآن کریم نے دوسری جگہ بیان فرمایا کہ وہ کہتے ہیں۔ مَتٰی نَصۡرُ اللّٰہِ ؕ (البقرہ:215) وہ بھی تو جلدی کرتے ہیں کہ کہاں گئی اللہ کی نصرت، کیوں نہیں آ رہی۔ تو فرمایا کہ اُولُوا الۡعَزۡمِ جو تھے انبیاء میں سے وہ نہ عذاب میں جلدی چاہا کرتے تھے نہ فتح کے لئے ایسی بے قراری دکھاتے تھے کہ صبح شام دیکھیں کہ کیوں ابھی فتح نہیں آئی۔ یہ اللہ کا کام ہے خدا کی رضا پر راضی رہ اور جان لے کہ تیری دعائیں ضرور اثر دکھائیں گی۔ تیری کوششیں ضرور بار آور ثابت ہوں گی۔ گھبرانے کی بات نہیں دعا کرتا چلا جا، کرتا چلا جا، یہ اللہ کا کام ہے کہ جب چاہے گا اس کی سزا کی تقدیر ظاہر ہو گی جب چاہے گا اس کی جزا کی تقدیر ظاہر ہو گی اور یہ دونوں تقدیریں

مومنوں کے حق میں ہوں گی۔

پس اس پہلو سے بھی ہمیں صبر کے مضمون میں یعنی انجام کے متعلق بھی صبر کی تلقین سکھلائی گئی ہے۔ فرمایا کہ تو اگر ان کا بدانجام چاہتے ہو اور جلدی کرے تو، تو کیوں جلدی کرتا ہے۔ جب بدانجام آئے گا تو وہ لمبا زمانہ جو ان کو مہلت کا دیا گیا ہے وہ اس انجام کے سامنے ایسا دکھائی دے گا جیسے آناً فاناً گزر گیا تھا۔ تو جلدی کرنے میں حکمت بھی کوئی نہیں، جو پکڑے جانے والے ہیں جب پکڑے جاتے ہیں تو جس زمانے کو تو سمجھتا ہے کہ اللہ نے بہت لمبی مہلت دے دی ہے وہ تو یوں ان کو گزرتا ہوا دکھائی دیتا ہے جیسا تھا ہی نہیں۔ پس فرماتا ہے كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ یہاں عذاب والے پہلو کو خصوصیت سے بیان فرمایا گیا ہے، پس جب بھی خدا کے وعید کا وقت آئے گا يُوْعَدُوْنَ سے مراد جو ان کو وعید دیا جاتا ہے، جس بات سے وہ ڈرائے جاتے ہیں، جب وہ وقت آجائے گا کیسے ہوں گے لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ وہ یوں سمجھیں گے وہ یوں اپنے آپ کو پائیں گے گویا وہ دن کی ایک گھڑی سے زیادہ زندہ نہیں رہے یا امن کی حالت میں اور عیش و عشرت کی حالت میں تکبر کی حالت میں اور فخر کی حالت میں۔ گویا دن کی ایک ساعت سے زیادہ ان کو حصہ نہیں ملا اور جو مزے کے زمانے ہیں جب وہ گزر جاتے ہیں تو وہ تھوڑے تھوڑے لمحے دکھائی دیتے ہیں۔ جو دکھ کے زمانے ہیں وہ بہت لمبے ہو جاتے ہیں اور ایک پل کاٹنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ تو یہ مضمون ہے جو اس بات میں کھول دیا گیا کہ ان کو اگر خدا نے پکڑنا چاہا اگر یہی تقدیر ہوئی خدا کی کہ وہ پکڑے جائیں تو تو دیکھے گا کہ ان کا ایک ایک پل، ایک عذاب کا زمانہ بن جائے گا۔ اس قدر مصیبت میں مبتلا ہوں گے کہ ان سے وقت نہیں کٹے گا اور جب وہ مڑ کر دیکھیں گے تو ان کے ماضی کے عیش و عشرت کے ایام یوں لگیں کہ جیسے آناً فاناً ہاتھ سے نکل گئے تو پھر کس بات پہ جلدی کرتا ہے اور وہ شخص جس کی تبلیغ کی بنیاد رحم پر ہو اس وعید کو پڑھنے کے بعد تو اس کا دل بہل جائے گا کہ میں کیوں ان کے انجام کی جلدی کیا کرتا تھا یہ تو بہت ہی قابل رحم حالت ہے۔

پس اس نقشے کو کھینچ کر اگر کوئی معمولی سا تردّد بھی مومنوں کے دل میں باقی رہ گیا تھا تو اسے بھی دور فرما دیا گیا۔ فرمایا فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ یعنی جب خدا کے عذاب آتے ہیں تو بسا اوقات ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ قومی عذاب بن جاتے ہیں مگر وہاں ایسی صورت میں

مومنوں کو بچایا جاتا ہے فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ فاسقوں کے سوا اور کسی کو ہلاک نہیں کیا جاتا، یہ ایک عمومی دستور ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ حــــادثةً بھی کوئی مومن نقصان نہیں اٹھاتا۔ مگر قوم کا جب موازنہ قوم سے کیا جاتا ہے تو بلاشبہ مومن حیرت انگیز طور پر امن کی حالت میں رہتے ہیں، امن کے سائے تلے رہتے ہیں اور دشمن ہی ہے جو ہلاک کیا جاتا ہے۔ پھر صبر کے مضمون کو اور کھولتے ہوئے فرمایا وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِىْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ یہ سورہ نحل آیت 128 ہے کہ تو صبر کر لیکن صبر اللہ کی خاطر کر۔ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ محمد رسول اللہ ﷺ کے صبر کی کیفیت بیان فرمائی گئی ہے اس کا ایک معنی تو یہ بھی کیا جاتا ہے وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہ صبر کر اے محمدؐ اور تیرا صبر محض اللہ ہی کے حوالے سے ہونا چاہئے۔ میرے دل میں کھبتا ہے، جس پہ مجھے اطمینان ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اے محمد صبر کر اور تیرا صبر اللہ کے حوالے کے سوا ہے ہی نہیں۔ تمام تر تیرا صبر محض اللہ کی خاطر ہے وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ اور اس کے باوجود فرمایا ان پر غم نہ کر۔ اب یہاں بظاہر ایک تضاد دکھائی دیتا ہے۔ اللہ کہتا ہے غم نہ کر، محمد رسول اللہ ﷺ غم میں مبتلا ہیں۔ کیا نعوذ باللہ من ذالک یہ بھی ایک نافرمانی کا انداز تھا۔ ہرگز نہیں کیونکہ جہاں پیار کی نصیحت ہو وہاں حکم نہیں ہوا کرتا، وہاں دلداری کا ایک انداز ہوا کرتا ہے، یہاں وَلَا تَحْزَنْ سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ اللہ ناراض ہوگا اگر تو حزن کرے گا۔ فرمایا کہ ہم تجھے دیکھ رہے ہیں کہ حزن کی حالت میں مبتلا ہے یعنی تیرا صبر رحمت کے نتیجے میں ہے غصے کے نتیجے میں نہیں، بے اختیاری کے نتیجے میں نہیں۔ اگر مظلوم بے اختیار ہو کر صبر کر رہا ہو تو بعض دفعہ بہت سخت غصے کے خیالات اس کے دل سے اٹھتے ہیں، ابلتے ہیں۔ بعض لوگ اس حالت میں پاگل ہو کر گالیاں بکنے لگ جاتے ہیں اور ان کی باقی ساری زندگی اپنے صبر کے زمانے کے غیظ و غضب کو گند کی صورت میں اچھالتی رہتی ہے، ہر وقت ان کے منہ سے بکواس نکلتی ہے۔ ایسے پاگل ہم نے بھی دیکھے ہیں کیونکہ ان پر کسی نے ظلم کیا ہوا ہے وہ ظلم اندر اندر ان کو کھا جاتا ہے کیونکہ بے اختیار ہوتے ہیں اس لئے جب وہ اپنا کنٹرول چھوڑ دیتے ہیں جب ان میں نظم و ضبط کی طاقت باقی نہیں رہتی تو ہر وقت غیظ و غضب اچھلتا ہے لیکن وہ شخص جس کو رحم آ رہا ہو اور غضب یا انتقام کا جذبہ نہ اٹھے اس کے لئے کسی قسم کے غصے کا اظہار یا گالی گلوچ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ دن بدن دل ہی دل میں گھلتا چلا جائے گا۔

اس کو ایک جان گسل غم لگ جائے گا، اس کی جان کو کھانے لگ جائے گا۔ یہ کیفیت تھی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کو بار بار نصیحت فرماتا ہے کہ حزن نہ کر۔ جیسا آدمی اپنے پیارے پر نظر کرتا ہے اس کو کہتا ہے دیکھو صبر کر، تکلیف میں نہ پڑ۔ یہ تو نہیں کہ حکم ہے۔ اگر اس نے کہا کہ نہیں میں نے تکلیف محسوس کرنی ہے تو آپ ناراض ہو جائیں کہ میری بات نہیں مان رہے۔ پیار کا انداز ہے، ایک محبت کا اظہار ہے، یہ بتانا ہے کہ میری تیرے ہر حال پر نظر ہے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ کس غم میں تو گھل رہا ہے اور دوسری جگہ فرمایا لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (الشعرا:4) اتنا غم کہ تو اپنی جان کو ہلاک کر رہا ہے کہ یہ لوگ مومن نہیں ہوتے۔ یہ صبر ہے جس کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ کیونکہ تیرا تمام تر صبر صرف اللہ کی خاطر ہے اس لئے اس میں حسن ہی حسن ہے اس میں کوئی بد پہلو نہیں ہے، کوئی بدزیبی نہیں ہے۔

پس یہ وہ صبر ہے جسے ہمیں اختیار کرنا ہوگا دکھوں کے مقابل پر ان کے لئے درد محسوس کرنا ہوگا۔ وَلَا تَحْزَنْ کا یہ استنباط نہ کریں اس سے کہ کوئی غم محسوس نہ کرنا جو مرضی ان کو ہو جائے۔ مراد یہ ہے کہ ایسا غم محسوس کریں کہ آسمان سے آواز آئے وَلَا تَحْزَنْ اے میرے بندے اب اپنے آپ کو مزید نہ رُلا۔ یہی وہ آواز ہے جو تسکین پیدا کرتی ہے۔ جو غم نہ کرنے کا حکم نہیں دیتی، غم کے سامان اڑا دیا کرتی ہے یہی وہ وَلَا تَحْزَنْ والا مضمون تھا جس نے آخر عرب کی کایا پلٹ دی اور تمام عرب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے دیکھتے دیکھتے مسلمان ہو گیا یعنی حزن کا مقام ہی باقی نہیں رہا۔

پس اللہ ہمیں ان معنوں میں خدا تعالیٰ سے صبر سیکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمارے صبر میں اُولُوا الْعَزْمِ کی شان ہو، ہمارے صبر میں کمزوری اور بے چارگی نہ ہو۔ طاقت کے ہوتے ہوئے بھی ہم ظالم کے لئے رحم چاہنے والے ہوں اور صبر کے ساتھ چمٹے رہیں۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو یقیناً وہ اجر عظیم ضرور ہمیں عطا ہوگا جس کا ذکر قرآن کریم میں ملتا ہے اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین